
منزل سے ذرا دُور
سبین یونس



"شاعری نے مجھ سے پوچھا تم یمین کی شاعری کے بارے میں کیا کہتی ہو" میں بولی" احساسات اور جذبات کی شدت کو معصومیت اور سچائی سے بیان کیا ہے۔ یمین نے بڑی ہمت اور جرأت سے زندگی کی ساری اذیتوں کو سہا اور شاعری نے ہی اس کی ڈھارس بندھائی۔ اس نے قلم اٹھایا اور اپنے جذبات کی آئینہ داری کرتے ہوئے لفظوں کو سمیٹا۔ کبھی غزل بن گئی کبھی نظم۔ برسوں میں آنکھوں سے ٹپکے ہوئے موتی شعروں کے قالب میں ڈھلتے گئے ہیں۔ پچی سیدھی سادی شاعری جو اَب ناپید ہے۔ اس مجموعے کے تجربے سے گزریں گی تو پھر شاعری کے نئے رنگ کھلیں گے۔

کشور ناہید

"منزل سے ذرا دور" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خوش امکان شاعرہ میں ایک طرف اپنی روایت سے بڑی حد تک جڑے رہنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ جدید اور تازہ تر حسیت سے بھی اپنے آپ کو مربوط رکھنا چاہتی ہیں۔ توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ امتزاج بشرط ریاض مسلسل ان کو اپنی منفرد آواز ترتیب دینے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ میں محترمہ یمین یونس ایسی اچھی شاعرہ کے لیے توفیقات مزید کی دعا کرتے ہوئے پوری طرح سے پرامید ہوں کہ ان کے شعر کی خوشبو وطن عزیز میں اردو سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گی اللہ تعالیٰ ان کے شعر کو اثر نفوذ قبولیت کی نعمتوں سے سرفراز رکھے۔

نثار ناسک

ISBN: 978-969-8267-03-1

Price Rs. 350/-

منزل سے ذرا دُور

(شاعری)

سبین یونس

عکاس پبلی کیشنز، اسلام آباد

اپریل 2014ء



نام کتاب : منزل سے ذرا دور

شاعرہ : سبین یونس

کمپوزنگ : سید امداد علی

تعداد : 500

سن اشاعت : 2014ء

قیمت : 350 روپے

پبلشر : عکاس پبلی کیشنز، اسلام آباد

فون: 051-4442835

اے گردشِ دوراں! ابھی کچھ تھوڑا سا آگے
منزل سے ذرا دُور کھڑے کیسے رہیں ہم

انتساب

اپنے والد

''مقبول حسین شہید'' (ستارۂ جرأت)

اور

اپنے شوہر

''ونگ کمانڈر محمد یونس'' (تمغۂ امتیاز)

کے نام

ترتیب

حرفِ آغاز

''منزل سے ذرا دُور'' کے عنوان سے میں نے اپنا کلام مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ کافی عرصے سے کچھ نہ کچھ لکھتی آ رہی ہوں لیکن اپنے خیالات اور احساسات کو تدوین اور طباعت کے مراحل سے گزارنے کی نوبت نہ آ سکی۔

مجھے یاد ہے کہ چودہ، پندرہ سال کی عمر سے ہی میں نے شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ کالج کے زمانے میں بھی مشاعروں کے لئے غزلیں اور نظمیں لکھتی تھی۔ جن کو سراہا جاتا۔ کبھی کبھار اخبارات کے ادبی صفحوں میں بھیج دیتی تھی جو چھپ جاتی تھیں۔ ادبی صفحات کے انچارج صاحبان کی طرف سے حوصلہ افزائی کے خطوط بھی ملتے رہتے تھے۔ میں لکھتی رہی اور اکیس بائیس سال کی عمر تک میرے پاس کوئی دو ڈھائی سو کے قریب غزلیں، نظمیں جمع ہو گئیں۔ میری دوستوں نے کتاب چھپوانے کا مشورہ دیا لیکن اپنے ذاتی احساسات و خیالات کو دوسروں تک پہنچانے میں ایک جھجک مانع تھی۔

اسی دوران پروین شاکر کی کتاب ''خوشبو'' مارکیٹ میں آئی ۔نسوانی جذبات و احساسات کا بھرپور اظہار.......... میں نے جمع شدہ مواد کی کانٹ چھانٹ کی، مسودہ تیار کیا اور ایک پبلشر سے رابطہ کر کے اسکے حوالے کیا لیکن کافی عرصہ گزر گیا چھپنے کی نوبت نہ آئی تو پتا چلا کہ مسودہ اُس سے گم ہو گیا ہے۔

اسی دوران میری شادی ہو گئی میرے شوہر ایئر فورس میں تھے۔ کچھ عرصہ تو ہمت نہ پڑی کہ انہیں اپنے اس شوق سے آگاہ کیا جائے۔ ایک دن گوجرانوالہ کے ایک مقامی رسالے میں میری غزل پڑھ کر میرے شوہر نے اُسی صفحے پر ایک شعر اُسی بحر میں لکھ دیا۔ غزل کا مطلع تھا۔

قدموں تلے جہاں کے یہ سب بحر و بر کریں
اس آرزو میں شام کریں اور سحر کریں

میرے شوہر نے شعر لکھا

رکھے ہیں بُت سجا کے کعبے میں خواہشوں کے
ایسے حرم کو کیوں نہ ہم زیر و زبر کریں

اس قدر خوبصورت اور فی البدیہہ شعر پڑھ کر میں حیران رہ گئی۔ ایسی حوصلہ افزائی ہوئی کہ فوراً اپنی ڈائری نکال لائی۔ انہوں نے ڈائری پکڑ لی اور مجھے یہ خوف کہ نہ تو میں نے کسی سے اصلاح لی اور نہ مشورہ۔ مذاق ہی نہ بن جائے۔

پھر بہت سے اشعار غالب کے اس شعر کی روشنی میں بھی لکھے تھے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لیکن انہوں نے تعریف کی اور ہماری خواہش (یعنی کتاب چھپوانے کی) پوری کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن مصروفیت نے کچھ اس طرح دامن پکڑا کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ لکھنا لکھانا البتہ جاری رہا۔ کبھی ایئر فورس کے لیڈیز کلب کی تقریبات کے لئے، کبھی ''پفوا'' کے میگزین ''مجاہدہ'' کے لئے اور کبھی اخبارات کے ادبی صفحوں کے لئے۔

میں اپنے شوہر کی زندگی میں بھی مختلف کالجز میں وقتاً فوقتاً پڑھاتی رہی اور ان کی وفات کے بعد تو مستقل یہی مصروفیت ہے۔ اردو ادب کی استاد ہونے کی وجہ سے ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی بھی کرتی رہی اور کالج میگزین کی ادارت کا فریضہ بھی سرانجام دیتی رہی۔ یہیں سے پھر اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کا خیال آیا۔ جو اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

کتاب کا پہلا انتساب اپنے عظیم والد کے نام ہے۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں گوریلا جنگ میں پونچھ محاذ پر دشمن کا بھاری نقصان کیا اور دشمن کے علاقے میں ہی شہید ہوئے۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے اس بہادری پر ستارۂ جرأت کا اعزاز دیا گیا لیکن ہمیں اُن کا جسدِ خاکی نہ مل سکا۔ یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ ہم بچے اور ہماری والدہ ایک مستقل انتظار کی کیفیت میں ہی رہ گئے۔ میری عمر اُس وقت تقریباً آٹھ سال تھی لیکن جذبوں اور احساسات کی شدت وقت کے ساتھ

بڑھتی ہی گئی۔انہی جذبوں کا اظہار پہلے حصے میں نظر آتا ہے۔

دوسرا انتساب اپنے شوہر کے نام ہے۔شادی کو پندرہ سال پورے نہ ہوئے تھے کہ میری والدہ کی وفات پر ہم گوجرانوالہ گئے واپسی پر میرے شوہر ''ونگ کمانڈر یونس'' اور بڑا بیٹا ''جواد الحسن'' حادثے کا شکار ہو گئے۔تھوڑے عرصے کی خوشی اور بہت طویل غم کا زمانہ ہی میری شاعری کا اہم موضوع ہے۔آخر میں ایئر فورس کی زندگی سے متعلق کچھ یادیں ہیں۔

میں سوچتی ہوں کہ عمر کے ہر دور میں خوشیوں کی منزل دُور سے دُور ہوتی گئی اور میں اپنی ناتمام حسرتوں کو اشعار کا رُوپ دیتی رہی۔شاید یہی میرے غم کا علاج تھا کہ میں اپنے جذبات اور احساسات کو الفاظ میں سمو دوں اور مطمئن ہو جاؤں کہ جیسے کوئی قیمتی اثاثہ محفوظ کر لیا ہو۔

ایک ''لمحہ'' کے عنوان سے جب میں نے نظم لکھی تو مجھے ایسے ہی اطمینان کا شدت سے احساس ہوا۔میری شاعری میرے داخلی اور ذاتی جذبات کی عکاس ہے لیکن میرا خیال ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ اس قسم کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں اور میرے یہ احساسات کئی ایسے دلوں کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔

میں کیسے اپنے سوا اور کوئی ذکر کروں
تمام دنیا کا احوال میرے حال میں ہے
غمِ جہاں ہو غمِ دل ہو یا غمِ ہستی
ہر ایک غم کا گزر میرے ماہ و سال میں ہے

میں ملک کی ممتاز شاعرہ اور ادیبہ محترمہ کشور ناہید کی خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔میں ممتاز شاعر جناب نثار ناسک، محبوب ظفر، محترمہ طاہرہ غزل اور ڈاکٹر ابرار عمر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اس کتاب کے لیے اپنی رائے سے سرفراز کیا اور طارق نعیم کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے جن کے تعاون سے یہ مجموعہ اشاعت کی منزل کو پہنچا۔میں اپنی دوست سبا رفیع کی بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے زندگی کے ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی۔

ثمین یونس

سبین ۔ ایک خوش امکان شاعرہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعری ایک خداداد ملکہ ہے۔ اپنے محسوسات و تجربات اور مشاہدات کو موزوں اور موثر پیرایہ میں پیش کرنے کی صلاحیت شاعر فطرت سے لے کر آتا ہے اور یہی وہ قوت ہے جو اس کے دل کی بات کو روداد جہاں بنا دیتی ہے۔ خیالات کی بلندی اور جذبات کی فراوانی ایک پختہ کار شاعر کے یہاں بھی مل سکتی ہے اور نو مشق شاعر کے یہاں بھی مگر دونوں کی شاعری میں نمایاں فرق لہجے اور اندازِ بیان کا ہوگا۔ محترمہ سبین یونس کے کلام کا کچھ حصہ پڑھنے کو میسر آیا تو بہت خوشی ہوئی کیونکہ بظاہر ادبی منظرنامے سے دور رہ کر اپنا جہانِ نو تخلیق کرنا کچھ اتنا آسان بھی نہیں۔ میرے نزدیک سبین کی یہ شاعری ایک خوش امکان مستقبل کی شاعری ہے۔ دیر سے سہی مگر سفر کا آغاز جس طور ہوا ہے وہ اس بات کی غمازی کرتا نظر آتا ہے کہ اس مجموعے کی شاعرہ کے زادِ سفر میں اللہ کی دی ہوئی تخلیقی صلاحیت بھی ہے۔ ریاضِ فن اور شعر پر توجہ کی لگن بھی ہے اور فنِ شعر و سخن کے اس میلانِ فطری کی آبیاری کے لیے قدرت نے ایک ایسا ماحول بھی ان کے لیے مہیا کر دیا ہے کہ جہاں ان کی ادبی نشو و نما کے تمام تر مواقع فراہم ہیں۔

''منزل سے ذرا دور'' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خوش امکان شاعرہ میں ایک طرف اپنی روایت سے بڑی حد تک جڑے رہنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ جدید اور تازہ تر حسیت سے بھی اپنے آپ کو مربوط رکھنا چاہتی ہیں۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ امتزاج بشرط ریاضِ مسلسل ان کو اپنی منفرد آواز ترتیب دینے میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

میں محترمہ سبین یونس ایسی اچھی شاعرہ کے لیے توفیقات مزید کی دعا کرتے ہوئے پوری طرح سے پرامید ہوں کہ ان کے شعر کی خوشبو وطن عزیز میں اردو سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گی اللہ تعالیٰ ان کے شعر کو اثر نفوذ قبولیت کی نعمتوں سے سرفراز رکھے۔ آمین

نثار ناسک

یکم مئی ۲۰۱۴ء

ایک باصلاحیت اور باہمت خاتون کی شاعری

''منزل سے ذرا دور'' ایک طویل مسافت میں راہیں اونچی نیچی، ناہموار اور دشوار ہوا ہی کرتی ہیں اور ان دشواریوں میں رنگارنگی بھی ہوتی ہے۔ لیکن سکون کے لمحات میسر آتے ہیں اور شجر سایہ دار بھی۔ سبین یونس نے اپنے اس پہلے شعری مجموعے میں اپنی ذات اپنے دکھوں، خوشیوں اور اپنے عزیز ترین لوگوں کے حوالے سے جو محسوس کیا اور جو ان پر گزری ایسے تمام مراحل کو شعر کی صورت میں ڈھال کر ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔

انکشافاتِ ذات ہی اصل میں وہ کلید ہے کہ جس کے ہاتھوں میں آنے سے زندانِ ذات کا در کھلتا ہے اور پھر حیرتوں کے در کھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ آگہی کی پہلی منزل حیرت ہے اور آخری منزل بھی حیرت ہی ہے۔

ذات اور کائنات کی ان بھول بھلیوں میں سبین کا سامنا جب دوسرے انسانوں سے ہوتا ہے تو اس حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کے کئی پہلو کھل کے سامنے آتے ہیں۔ دوستی، محبت، خلوص وفا جیسے الفاظ جن پر شاعرہ کامل ایمان رکھتی ہیں، اپنے معنی کھونے لگتے ہیں مگر ایسے میں بھی وہ امن کا پرچم تھامے رکھتی ہیں اور محبت کے گیت ہی گنگناتی ہیں۔

نہیں کچھ خبر کہ یہ کارواں، ہوا کس طرف کو رواں دواں
کہ مگن ہیں اپنے جہان میں، کبھی رو لیا کبھی گا لیا

تب اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا سماجی شعور کس قدر گہرا ہے۔ دردمندی، ہمدردی اور انسانی نفسیات سے مکمل آگاہی سبین کے اشعار سے واضح طور پر جھلکتی ہے۔

نظم پر سبین کی گرفت غزل کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ ان کی متعدد نظموں میں فکر کی گہرائی کے ساتھ بیان کی دلکشی اور تغزل کی چاشنی گھلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ''اپنے شہید باپ کے نام ایک نظم'' ''قائدِ عوام کی شہادت''، ''تلخیِ ایام''، ''ایک مہربان ہستی کے نام الوداعی نظم''، ''مجھے خود اپنی نظر لگی ہے''، ''بھنوا''، ''دل کا موسم''، ''بنام خود'' اور ''ایک لمحہ'' ایسی نظمیں ہیں جو اپنی جداگانہ شناخت

رکھتی ہیں۔ان نظموں کی دل آویز سادگی، لطافتِ احساس میں ان کے ذہن ودل کی کاوش اور کسک میں دلوں کو گرما دینے والی ایسی کیفیت پنہاں ہے جو انسانی قدروں اور رشتوں سے محبت کرنے والوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

سبین روایت سے رشتہ استوار کیے ہوئے آگے بڑھتی ہے۔''منزل سے ذرا دور'' کا نمایاں حصہ انہی روایتوں کا آئینہ دار ہے۔جس میں مذہبی عقیدت واحترام، رشتوں کی زنجیریں، عزیزوں کی یاد، عظیم ہستیوں کو خراج عقیدت اور محبت کی ارفع قدروں کی پاسداری سبھی کچھ ملتا ہے۔ یوں سبین نے اپنے اس شعری مجموعے میں ادبی اور معاشرتی ہر حوالے کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک جہان آباد کیا ہے۔اگر ان کا خلوص اور استقامت برقرار رہتے ہیں جس کی ان سے پوری توقع ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کا نام اور نمایاں ہو کر اپنی جداگانہ شناخت قائم کرے گا۔

طاہرہ غزل

جمعرات یکم مئی ۲۰۱۴ء

تاثرات

(ایک دوست کی طرف سے)

خیالات کی پختگی، سادگی اور بے ساختگی شاعرہ کی خداداد صلاحیت کی مظہر ہے۔ ہر کوئی ان کے حسنِ بیان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے کیونکہ الفاظ سادہ اور دل کو چھو لینے والے ہیں۔ لڑکپن کی سوچ کو بھی دلکش انداز میں یکجا کیا ہے۔

گویا کسی کی شاگردی اختیار کر کے رموزِ شعر و سخن سے آگاہی حاصل کی ہو۔

چُن چُن کے آشیاں کے لئے رکھ رہے تھے ہم
آئی ہوا جو غم کی تو تنکے بکھر گئے

شاعرہ کی زندگی میں بہت اتار چڑھاؤ آئے مگر ان کے ذہن کی مثبت سوچ نے ان کو مضبوط چٹان بنائے رکھا۔ بقول شاعرہ

دشواریوں کو رہ کی نہ کچھ جاننا سہیں
اب ٹھان لی ہے ہم نے بھی ہستی مٹانے کی

ہمت اور حوصلے کا بیان ایک اور جگہ یوں کیا ہے

مجھے تو پھر بھی فضاؤں میں جا کے اُڑنا ہے
قضا نے لاکھ کیا ہو بے بال و پر مجھ کو

''دل کا موسم'' میں اپنے دل کی کیفیات کو ایسی خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھیں پرنم ہونا یقینی ہے۔ اگلے صفحے پر دل کا دروازہ پڑھ کر آنسو بیتاب ہو کر بہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تلاش آنکھوں کی ندیا کی تلاش پڑھ کر آپ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

رومانوی شاعری نہایت شائستہ ہے۔ جس کے پاکیزہ خیالات چپکے سے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ مجھے امید ہے قارئین بھی مطالعہ کے بعد میرے خیالات سے متفق ہونگے۔ زمانے

کی بے اعتنائی کو یوں بیان کیا ہے۔

زخموں کو چھیڑ چھیڑ کے ناسور کر دیا
ہم تو سمجھ رہے تھے کہ غمخوار آ گئے

سیمیں ایک دوست کے روپ میں مجھے ہمدرد بہن کا احساس دلاتی ہیں جو ہر موقع پر مثبت رہنمائی کرتی ہیں۔

ادبی حلقے میں سیمیں اور انکی شاعری یقیناً ایک خوش آئند اضافہ ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے مثبت خیالات اور شاعری مقبول عام بلکہ شہرتِ دوام حاصل کرے گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ انکی ذہنی وفکری توانائی کے ساتھ ساتھ جسمانی قوت بھی برقرار رکھے اور وہ ادب کی دنیا میں اور اپنے بچوں کے درمیان خوشیوں کے پھول کھلاتی رہیں۔ (آمین)

سبا رفیع

ایک خوبصورت مجموعۂ کلام

''منزل سے ذرا دور'' سبین یونس کی ان نا تمام حسرتوں کا تذکرہ ہے جن کو وہ اشعار کا روپ دیتی رہی ہیں۔ مدھم لہجے، اداسی کے رنگوں اور جذبات کی روانی سے سجی ہوئی یہ کتاب ایک خوبصورت مجموعہ کلام ہے۔ ان کا انداز بیان اتنا پراثر اور دلپذیر ہے کہ جدائی کی کیفیات بھی دل کو بھاتی اور گدگداتی ہیں۔

ان کی شاعری کی فضا ایک ایسے بھیگے پن میں رچی ہوئی لگتی ہے۔ جس میں اداسی کا عنصر بہت نمایاں اور گہرا ہے۔ ہر مصرع دوسرے مصرعے سے ایک رچاؤ کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ خیالات اور تصورات کا قافلہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔

نظموں میں ''دل کا موسم'' اور ''سفر'' جدائی اور تنہائی کی انہی کیفیات سے بھرپور ہیں۔ کہیں درد و غم کی شدت کا اظہار بھی بڑے محتاط اور پروقار انداز میں کیا ہے جہاں مایوسی اور بے چارگی کی بجائے ایک توانائی نظر آتی ہے۔

دلوں کے درد میں اک درد نارسائی کا
یہ امتحان نہ بن جائے پارسائی کا
ہیں جسم و جاں سرِ مقتل ذرا بھرم رکھنا
ہمیں ہے دعویٰ بہت درد آشنائی کا

سبین کی شاعری میں جدت، حقیقت اور اعتماد کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ زندگی میں متصادم تجربات، جذباتی کشمکش سے پیدا ہونے والی کیفیات اور ناسازگار ماحول کی آویزش کے اثرات کا بیان نہایت دلنشیں لب ولہجہ میں کیا گیا ہے۔

یہ تھا تقاضائے قدرت کہ ڈگمگائے قدم
نہ رخ ادھر کو ہوا جس طرف کنارہ تھا
عروسِ لالہ کو موسم کی خستگی کا تھا علم
جگر کے خوں سے تبھی پیرہن سنوارا تھا

ہوا کے دوش پہ پہنچے بگولوں کی زد میں
یوں بے خبر ہی ہمیں زندگی نے مارا تھا

محبت کے احساسات کے بیان میں بھی ایک انقلابی اور تعمیری جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔

نہ جانے کس جگہ تھک کر ٹھہر جائیں قدم تیرے
ترے رستے میں کتنے ہی بنا ڈالے ہیں گھر میں نے
کبھی تیرے خیالوں سے تری صورت بھی جھلکی ہے
کبھی تجھ کو بھی پایا ہے بڑا نزدیک تر میں نے

سبین یونس نے زندگی اور اس کی تلخیوں کو اپنی تمام حقیقتوں کے ساتھ بڑی سادگی سے بیان کیا ہے۔ محرومیوں اور تنہائیوں کی جو صورت گری کی گئی ہے وہ دل کو متاثر کرتی ہے اور قاری کو دیر تک ایک المناک لذت سے سرشار رکھتی ہے۔ ان کی تنہائیاں اپنی تمام شدت کے ساتھ ایک عزم اور حوصلے کی نشاندہی کرتی نظر آتی ہیں۔

شاعرہ نے زندگی کے نشیب و فراز کے باوجود جس طرح زندگی کے بارے میں مثبت رویہ بیان کیا ہے اسی طرح عملی زندگی میں بھی متحرک اقدار کو پوری توانائی کے ساتھ جاری و ساری رکھا ہے۔ وہ سفر حیات پر چلنے والوں کے لئے جہد و عمل اور ہمت و جرأت کی ایک مثال ہیں۔

دم بھی نہ لینے پائے کہ پھر باندھ لی کمر
ہر امتحاں سے آگے ہے اک اور امتحاں

سبین یونس اپنی طرز کی ایک خوبصورت شاعرہ ہیں۔ اللہ انہیں چمنِ شاعری کی آبیاری کرنے کی ہمت اور صلاحیت عطا فرمائے اور ان کے قلم کو مزید توانائیاں بخشے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ سبین یونس اپنی سخن فہمی میں مزید نکھار پیدا کریں گی۔ ان کی کتاب کا مطالعہ قاری کے لئے یقیناً ایک منفرد تجربہ ہوگا۔

ڈاکٹر ابرار عمر

حمدِ باری تعالیٰ

نام لے کر ترا آغاز کیا کرتے ہیں
تیرے ہاتھوں میں پھر انجام دیا کرتے ہیں

تجھ کو دیکھا ہے نہ ہی تجھ سے ملاقات ہوئی
وصل کا جام تصور میں پیا کرتے ہیں

غم الم زندگی دشوار بنا دیتے ہیں
تیری اُلفت کے سہارے ہی جیا کرتے ہیں

تُو ہی بتلا کہ تجھے کوئی بھلائے کیسے
بھول کر بھی تجھے ہم یاد کیا کرتے ہیں

اک فقط انس و ملائک پہ نہیں ہے موقوف
پیڑ پتھر بھی ترا نام لیا کرتے ہیں

رونقِ ہستی ہے رنگین نظاروں سے ترے
دلِ صد چاک ترے جلوے سیا کرتے ہیں

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپؐ وجہِ دو جہاں ،کون و مکاں ہے آپؐ سے
یہ زمیں ہے آپؐ سے ، یہ آسماں ہے آپؐ سے

آپؐ سا رہبر نہ کوئی آپؐ سا ہے رہنما
جانبِ منزل رواں یہ کارواں ہے آپؐ سے

تھی ریاضت کو تمنا، بندگی کو تھی تلاش
جس پہ جا کے سر جھکے وہ آستاں ہے آپؐ سے

فکر کی جو انتہا ہے، ابتدا ہے آپؐ کی
اور اِک تسکیں کا عالم درمیاں ہے آپؐ سے

فرش کی پنہائیوں میں گونجتا ہے ایک نام
وسعتِ افلاک بھی تو بے کراں ہے آپؐ سے

زندگی کے بحر میں جاری رہے یوں ہی سفر
دور طوفانوں سے اب تک بادباں ہے آپؐ سے

وقتِ رُخصت نہ کہا تھا کہ نہ آئیں گے کبھی
کٹ گئی عمر اُمیدوں کے دیے بُجھ نہ سکے

شہیدِ وطن

شہید کا لہو بہا
ہوا میں رنگ بھر گئے
چہار سو بکھر گئے
زمیں کی پیاسی
کھیتیوں کی آبیاری ہو گئی
لہو کا قطرہ جب اُگا
یہاں اُگا
وہاں اُگا
کہ تپتی گرم ریت کو بھی
اک چمن بنا دیا
یہ گلستاں سجا دیا

اپنے شہید باپ کے نام
(ایک برسی کے موقع پر)

میں آج کے دن
با حسرت و یاس سوچتی ہوں
اے کاش ایسی کوئی جگہ ہو
جہاں پہ جا کر میں تیری یادوں سے
دل کی بستی آباد کرلوں
اجاڑ ویراں رُتوں کی کتنی ہی داستانیں تجھے سناؤں

اے کاش ایسا کوئی نشاں ہو
جہاں پہ ہاتھوں کو میں اٹھا کر
تری شجاعت کو دوں سلامی
میں اپنی آنکھوں سے تیری مرقد کی خاک چوموں

میں جانتی ہوں

یہ سب شہیدوں کی یادگاریں

ترا نشاں ہیں تری لحد ہیں

پر اپنی حسرت کا کیا کروں جو

زمیں کے ذروں کو

کھوجتی ہے

یہ دیکھتی ہے

نہ جانے کیسے کہاں کی مٹی نے

تیرا پیکر چھپالیا ہے

میں گزرے وقتوں میں

ڈھونڈتی ہوں

تری محبت، تری رفاقت

کا کوئی لمحہ

تو دیکھتی ہوں
کہ میں نے بچپن کی تصویروں میں
بھی تیری تصویر اٹھا رکھی ہے

یہ فخر میرے لئے بہت ہے
کہ جس سے نم ہے وطن کی مٹی
فضائیں رنگیں ہیں جس لہو سے
لہو ہے وہ بھی اسی میں شامل
مری رگوں میں جو دوڑتا ہے

قدم جہاں بھی رکھا سسکیاں سنائی دیں
نہ جانے دردِ جدائی سمو گیا ہے کہاں

جبیں پہ زخمِ عبادت کا ناں ملا مرہم
ستارہ اپنے مقدّر کا سو گیا ہے کہاں

میں ریگزار کا ہر ذرّہ ذرّہ دیکھ چکی
غمِ جہاں مرے دل کو ڈبو گیا ہے کہاں

قائدِ عوام کی شہادت پر (4 اپریل 1979)

رو رہی تھی زمیں رو رہا تھا زماں
رو رہے تھے مکیں رو رہے تھے مکاں

ہاتھ بے جان تھے لب بھی ویران تھے
بولتے بولتے رُک گئی تھی زباں

ایک سکتہ سا طاری ہوا چار سُو
رہ گیا تھم کے نظروں میں سارا جہاں

پھر ہوا ایک شورِ قیامت بپا
میرے سینے سے اٹھنے لگی جو فغاں

غم سے جلنے لگا قلبِ پیرِ کہُن
شب کو بکھری فلک پہ تھیں چنگاریاں

کون ہے جس کا غوغا ہوا چار سُو
دیکھ کر ہو گیا بے قرار آسماں

وہ حسیں گل چمن جس سے آباد تھا
کیسے مرجھا گیا کانٹوں کے درمیاں

کس کے بے رحم ہاتھوں نے توڑا وہ گُل
جس کی خوشبو سے مہکا تھا یہ گلستاں

خوش ہے گلچیں کہ ویراں چمن کو کیا
جانتا کیا نہیں کون ہے باغباں

جس پہ رہتے تھے طیور بے بال و پر
پھونک ڈالا ہے ظالم نے وہ آشیاں

جو تھا شانِ جہاں آن بانِ جہاں
راہزن لوٹ کر لے گئے وہ مکاں

رہبرِ کارواں ہی کہیں کھو گیا
کس کے پیچھے چلیں گے لٹے رہرواں

ظلم کی ہے یہ بستی لٹے ہم جہاں
رہزنوں کے لیے ہے یہ دارالاماں

کیا شکایت کریں کیا کہیں حالِ غم
خود ہی عاصی ہیں منصف یہاں اور وہاں

دل یہ کہتا ہے اس شہر کو چھوڑ دیں
سوچتے ہیں کہ جائیں تو جائیں کہاں

یہ زندگی کو کیا ہوا؟

اداسی
اس میں بھر گئی
کھا گئی نظر کوئی
امید تھی کچھ
آس تھی
خوشی ذرا سی دور تھی
سکونِ دل بحال تھا
ذرا سا بس ملال تھا
ذرا سا ڈر
بہت نہیں
یقیں نہ تھا
نہ تھی خبر
لٹیں گے ہم

لٹیرے تاک میں ہیں اب
ستم قریب ہے کھڑا
غموں کا دَور پاس ہے
نہ کوئی چارہ کار ہے
نہ کوئی غم گسار ہے
نہ سچ کی کوئی آن ہے
نہ جھوٹ ہی ہوا فنا
نہ رحم ہے نہ عدل ہے
کہ حریّت کا قتل ہے
یہ دست و پا بے کار ہیں
دہاں کو اِذن ہی نہیں
قیامتوں پہ چیخ لے
زباں کو اِذن ہی نہیں
جفا کا شکوہ کر سکے
زبان نہیں دہاں نہیں
ستم کو بس دوام ہے

اداسیاں کچھ اور نکھر جاتی ہیں

دِل کے ویرانوں میں
سوچیں سی
بکھر جاتی ہیں
کس نے
دِل کو مضراب سے
اب چھیڑا ہے
اِس سے پھوٹے گی
جو لے
پہنچے گی ہر دِل کے نہاں خانوں تک
یہ سماں اور یہ فضا
یہ ہوا چاند
یہ تارے اداس ہونگے بہت
غم گسار اتنے نظر آتے ہیں
تو یہ اداسیاں کچھ اور نکھر جاتی ہیں (نثری)

بہا خونِ دل، کھلے لالہ گُل یونہی اِک چمن سا بنا لیا
رہے بے خودی میں ہی عمر بھر تو یہ داغ دل پہ سجا لیا

نہیں اہل کوئی وفاؤں کا جسے ہم کہیں کہ ہے راز داں
کبھی چھیڑیں دِل کی حکایتیں، کبھی درد دل کو سنا لیا

وہی زندگی، وہی روز و شب، وہی مرحلے، وہی ولولے
وہی حال ہے کہ سکونِ دل، کبھی کھو دیا کبھی پا لیا

کیا ہے درد و غم؟ یہ خبر نہ تھی، کیا ہیں حسرتیں؟ نہ یہ علم تھا
اُٹھے راہِ عشق میں جب قدم تو یہ بار سر پہ اٹھا لیا

نہیں کچھ خبر کہ یہ کارواں ، ہوا کس طرف کو رواں دواں
کہ مگن ہیں اپنے جہان میں کبھی رو لیا کبھی گا لیا

سُنیں جو وفا کی حقیقتیں ، ہوئیں ختم دِل کی بھی خواہشیں
اِنہی تجربوں نے تجھے سبیںؔ غمِ زندگی سے بچا لیا

تھے جو ستم گر ہوئے ہیں وہ مہرباں اکثر
بنا بنا کے جلائے ہیں آشیاں اکثر

ہزار راہ کی دشواریاں تھیں ہم لیکن
جنوں میں جانے گئے ہیں کہاں کہاں اکثر

غبارِ ہستی میں ڈھونڈا انہیں تو مل نہ سکے
تصوروں میں ملے وہ یہاں وہاں اکثر

خوشی کے بعد غمِ بے کسی کا در آنا
لبوں پہ لے کے پھرے ہیں یہ داستاں اکثر

سبیںؔ جو درد ملے ہیں کریں بیاں کیسے
کُھلی کُھلی ہی رُکی رہ گئی زباں اکثر

یہ زندگی جنوں کو ستاتی چلی گئی
دیوار و در جہاں میں بناتی چلی گئی

مشکل تھا اک قدم بھی مگر یہ دوانگی
دشواریوں کو رہ سے ہٹاتی چلی گئی

تاریکیوں میں جلنے لگی روشنیٔ دل
اور شمع زندگی کی بجھاتی چلی گئی

ویراں تھے دشت و راغ مگر اُن کی جستجو
داغِ جگر بنوں میں سجاتی چلی گئی

یوں کام آ گئی ہے سبیں تلخیٔ حیات
ہر یاد کیف کی وہ بھلاتی چلی گئی

جاگتے تاروں تلے سب فکر و غم سوتے رہے
رات بھر ہم آنسوؤں سے اپنے غم دھوتے رہے

رفتہ رفتہ ایک پوری داستانِ غم بنی
پہلے چھوٹے چھوٹے افسانے رقم ہوتے رہے

سر پٹخ کر کعبے کی دیوار سے کوئی مرا
اور کعبے میں بنے پتھر صنم سوتے رہے

اک دھواں سا اُٹھتا ہے جب چاک ہوتا ہے جگر
قبر بھی جل جائے گی گر یوں ستم ہوتے رہے

جلتے جلتے بجھ گیا ہے خود چراغِ زندگی
دِل کے داغوں کے اُجالے پہلے کم ہوتے رہے

بس کے کتنے مطمئن ہیں غم کی دُنیا میں سبھی
غم کئی پاتے رہے اور غم کئی کھوتے رہے

بہار آ کر چمن سے گزر گئی ہو گی
مہک گلوں کی فضا میں بکھر گئی ہو گی

نقوشِ پا کا نگاہیں طواف کرتی ہیں
پتا نہیں کہ صبا اب کدھر گئی ہو گی

غموں میں ڈوب گئے اور تلاش میں اپنی
ہزار سمت جہاں کی نظر گئی ہو گی

اداس چاند، ستارے بھی ماند لگتے ہیں
ہمارے مٹنے کی اُن تک خبر گئی ہو گی

فریب کھائے جو دل نے تو ہم نے سوچا ہے
سبق ملا ہے تو ہستی سنور گئی ہو گی

لائیں گے اُن سی وسعتِ قلب و نظر کہاں
تاریکیوں میں پائیں گے نورِ سحر کہاں

بے تابیوں پہ اپنی ہنسی آئی اِس قدر
جوشِ جنوں کی اُن کو بھلا ہے خبر کہاں

دِل لٹ کے ریگذار کے ذروں میں مل گیا
جائے گا اب یہ طائرِ بے بال و پر کہاں

گزری ترے خیال میں یہ عمرِ مختصر
ہوگا تمام جانے یہ دردِ جگر کہاں

محفل میں مے کدے میں یا جنگل میں زندگی
کہہ دے کوئی سبھیؔ سے کہ ہو گی بسر کہاں

قدموں تلے جہاں کے یہ سب بحر و بر کریں
اِس آرزو میں شام کریں اور سحر کریں

کہتے تھے جو کہ تجھ کو ہے کس شے کی جستجو
اب کچھ ملے تو جا کے انہیں بھی خبر کریں

دُنیا یہیں سے پاتی ہے انجامِ آرزو
ہم کس جہاں میں جا کے تلاشِ گہر کریں

گر ہو سکے کسی سے مداوائے غم تو پھر
کچھ اور غم لگائیں اُسے چارہ گر کریں

بجتے ہی دِل کے تار یہ کہنے لگا جہاں
اِن سے کہو کہ قصۂ غم مختصر کریں

اُن کے خیال زخمِ جگر گر نکھار دیں
اِن کو ہی زندگی کا سبیں راہبر کریں

دیجے سزا کہ آج سزاوار آ گئے
پر یہ سزا کہ بزم میں اغیار آ گئے

کر لیتے ہم بھی خلد میں بس بندگی تری
دُنیا میں دِل جلانے کو بے کار آ گئے

تھی تابِ دید اور نہ ہی تاب شنید تھی
ہم اُٹھ کے اُن کی بزم سے ناچار آ گئے

زخموں کو چھیڑ چھیڑ کے ناسور کر دیا
ہم تو سمجھ رہے تھے کہ غم خوار آ گئے

خوں رنگ راستے کا ہمیں یہ نشاں ملا
منزل کی جستجو میں سر دار آ گئے

ہے امتحاں وفا کا فقط مدعائے زیست
اُس در سے کیا اُٹھیں جہاں اک بار آ گئے

کبھی کی بھول چکی ہیں وہ راحتیں دل کی
نظر نظر میں سمائی ہیں کلفتیں دل کی

جگرمیں درد سا سینے میں ٹیس اُٹھتی ہے
کبھی بھی یاد جو آتی ہیں اُلفتیں دِل کی

اے کاش! دنیا کا ہم کوئی کام کر جاتے
تمام عمر گنواتی ہیں فرصتیں دِل کی

خود اپنی ہستی سے اب ہو گئی ہے نفرت سی
بڑی خراب یہ ہوتی ہیں نفرتیں دِل کی

سبیںؔ اُسے میں زمانے کا راہبر سمجھوں
کوئی مٹا کے جو رکھ دے یہ حسرتیں دل کی

تلاش

میں نے دیکھا
اُسے
ہر طرف ہر سمت
اُس کو ڈھونڈا
بہاروں نظاروں میں بھی
گُل کے پتوں میں
خوشبو میں
اور حُسن میں
چاندنی رات کے
چاند تاروں میں بھی
اِن سحر کے اُجالوں سے
پوچھوں ذرا
آخر شب تو ہی تو

مجھے کچھ بتا
شام کی کالی زلفوں میں
اُلجھی نہ ہو
شام کی سرخیوں
پہ نہ ہو مرمٹی
یہ ہوا ناں کہیں ہوا اُڑا لے گئی
اِس فضا کا بھی مجھ کو بھروسا نہیں
ڈھونڈ تے ڈھونڈ تے تھک گئی ہے نظر
کوئی مجھ کو
ذرا یہ بتا دے سہی
میری آنکھوں کی نندیا کہاں کھو گئی؟

آیا نظر جہاں میں تماشا جدھر گئے
آئے تھے کس طرف سے نہ جانے کدھر گئے

چُن چُن کے آشیاں کے لئے رکھ رہے تھے ہم
آئی ہوا جو غم کی تو تنکے بکھر گئے

دم گھٹ رہا ہے رونقِ ہستی کو دیکھ کر
جو زخم ہو رہے تھے نہاں سب ابھر گئے

خود کو بچا نہ پائے تھے جب غم کی راہ پر
دامن میں غم سمیٹ کے ہم بھی گزر گئے

یہ کیسی روشنی ہے سبینؔ تیری راہ میں
سوزِ دروں سے زخمِ جگر بھی نکھر گئے

پھر کہیں یہ اور کس کے دِل کو تڑپانے چلے
قریہ، قریہ، بستی، بستی اپنے افسانے چلے

دل کے داغوں کی ضیا ہے اور یہ ناداں ہیں کیا
شمع کا شعلہ سمجھ کر جلنے پروانے چلے

غم پہ غم ایسے ملے ہیں دل کو پتھر کر دیا
اور سر کو پھوڑنے پتھر پہ دیوانے چلے

دیکھ کر محفل میں جلتے آنسوؤں کی دلکشی
شمع بن کے بزمِ ہستی میں یہ فرزانے چلے

دیکھ کر حیراں نہ ہو یوں بادلوں کے جوش کو
ریت کی دیوار تھی اک یہ اسے ڈھانے چلے

سحر وہ طاری کیا ہے تُو نے محفل پر سبھیؔ
اپنے بیٹھے رہ گئے اور اُٹھ کے بیگانے چلے

ہر کوئی بے خبر سا لگتا ہے
نالہ بھی بے اثر سا لگتا ہے

کس کو میں راز داں بناؤں یہاں
اِس زمانے سے ڈر سا لگتا ہے

اتنے مانوس ہیں بیاباں سے
اَب تو یہ دَشت گھر سا لگتا ہے

کیسی خوش فہمی ہے کہ غم پہ مرے
ہر کوئی چشم تر سا لگتا ہے

کاش آ جائے اَب سحر کا پیام
دُور اِک نامہ بر سا لگتا ہے

جس نے زخموں پہ رکھ دیا مرہم
وہ سبیںؔ چارہ گر سا لگتا ہے

یہاں دیکھتے ہیں وہاں دیکھتے ہیں
نہ جانے انہیں ہم کہاں دیکھتے ہیں

جو رازِ محبت نہاں تھے خود اُن سے
انہیں آج سب پر عیاں دیکھتے ہیں

جن آنکھوں میں بستی تھی صورت کبھی اک
واں آباد اب اِک جہاں دیکھتے ہیں

خوشی ہی خوشی جاں پہ سایہ فگن تھی
وہیں شورِ آہ و فغاں دیکھتے ہیں

کوئی بات کہہ دو کہ ہیں منتظر ہم
دہاں سے بھی آگے زباں دیکھتے ہیں

سبیؔں کیسے پہنچیں گے اُن کی نظر تک
بچھے رہ میں تیر و سناں دیکھتے ہیں

پھول مہکا ہے صدا اُس کے بہار آنے کی
اور لایا ہے خبر ساتھ بکھر جانے کی

ایک اِس درد کی لذت نے ہے کیا لطف دیا
اب تمنا ہے کوئی زخم نیا کھانے کی

ایک ہم ہیں کہ رہے صحرا نوردی میں ہی
ایک وہ ہیں جنھیں حسرت ہے صنم خانے کی

دِل تو مانگے ہے نئے رنگ نئی اک دُنیا
ہم نے ٹھانی ہے مگر دور کہیں جانے کی

بیچ طوفاں کے سفینہ ہے مگر حسرتِ دل
کتنی امید ہے ساحل پہ اتر جانے کی

اے سبیںؔ کتنا سکوں دیتی ہے یہ تاریکی
ہے عنایت اے ہوا تیری گھٹا لانے کی

خوشی و غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں

اِن برف پوش چوٹیوں پر بھی
آج تک
کیا کسی نے دیکھا ہے؟
اِن پہاڑوں میں
اِن گھٹاؤں میں
اِن دُھلی دُھلی فضاؤں میں
کس کے غم میں سسک رہی ہے ہوا؟
جانے کس کو بلا رہی ہے ہوا؟
ایک ننھا سا پھول دیکھا ہے
ہولے ہولے
ہوا کے دوش پر

کچھ جھجکتا ہے کچھ سمٹتا ہے
کون جانے کہ کیوں اداس ہے یہ
کیوں اس کی مسکراہٹ میں

ایک ہلکا سا غم جھلکتا ہے
کون جانے کہ کیا چکر ہے؟
نرم و نازک سی
پتیاں گُل کی
اور دامن میں سخت کانٹے ہیں
کوئی کیا سمجھے اور کیا جانے
خوشی و غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں

(نثری)

دُنیا و دیں میں انساں کی رفعت کو جان لیں
تن من ذرا لٹاؤ محبت کو جان لیں

راہِ وفا پہ بڑھ کے خود آتی ہیں منزلیں
سجدے میں رہ کے دیکھیں تو اُلفت کو جان لیں

اُن کی نظر میں دنیا جہاں کی ہیں وسعتیں
اک درس دیں وفا کا تو وسعت کو جان لیں

ہونے کو تو جہاں میں ہزاروں ہوئے ہیں قیسؔ
ڈھونڈیں جو دل سے لیلیٰ کی قربت تو جان لیں

دنیا میں یوں تو عابد و زاہد ہیں بے شمار
سر پر اٹھا لیں نفس کی تربت تو جان لیں

حسرت رہی تا عمر سبیں دل میں جاگزیں
زندہ رہیں تو اُن کی بھی صحبت کو جان لیں

کھو جائیں جہاں ایسی گھٹا مانگ رہے ہیں
وہ ہیں کہ ستاروں کی ضیا مانگ رہے ہیں

احساس نہ ہو غم کا مجھے زخم دے اتنے
حیراں ہے خدا اُس سے یہ کیا مانگ رہے ہیں

گر وہ اسے بے باکیٔ گفتار نہ سمجھیں
ہم عشق کی پہلی سی ادا مانگ رہے ہیں

وسعت سے تخیل کی ہو پرواز جہاں پر
شاہین سے ہم ایسی فضا مانگ رہے ہیں

گلشن میں جو پھولوں کے جگر چیر کے رکھ دے
بلبل سے سبھی ایسی نوا مانگ رہے ہیں

کوئی اور دَر ملا نہ تو یہ دو ہی گھر لیے
قلب و نظر بھی اپنے ہی اب غم نے کر لیے

رسوائی اس جہاں میں وفا کی نہ ہو سکی
شکوے زمانے بھر کے خود اپنے ہی سر لیے

پُرسانِ حال تھا نہ کوئی حالِ زار میں
خود ہی کبھی جیئے تو کبھی خود ہی مر لیے

ہیں آنکھیں منتظر کسی گزری بہار کی
پیغام آ رہا ہے کوئی نامہ بر لیے

کیسے کٹے گی عمر سبیںؔ پہلے ہی کم نہ تھے
اب اپنے دل کے دَرد سوا تُو نے کر لیے

دل سے نکالیں یاد ذرا اَب فسانے کی
زخموں کو چھیڑنا تو ہے عادت زمانے کی

خوشیوں کے ڈھیر سے یوں ابھرنے لگا ہے غم
اَب بات مت کرو کسی لمحے پرانے کی

بجھتے رہے چراغ بہت حوصلہ کیا
ہمت نہیں ہے اور دیے اَب جلانے کی

ہر امتحانِ دِل میں رہے سربلند ہم
صورت کوئی کرو ہمیں اور آزمانے کی

دشواریوں کو رہ کی نہ کچھ جاننا سبھیں
اب ٹھان لی ہے ہم نے بھی ہستی مٹانے کی

چمن حسین ہے نکہت اِسی کو کہتے ہیں
مہک فضا میں ہے شہرت اِسی کو کہتے ہیں

ہو لاکھ تیرگی لیکن دِیا جلائے جا
یہی ہے زندگی ہمت اِسی کو کہتے ہیں

غموں کے ساتھ رہے اور غمِ جہاں نے ہمیں
تڑپ سکھا دی ہے صحبت اسی کو کہتے ہیں

ذرا سی بات تھی اندیشۂ جہاں نے اسے
بڑھا دیا کہ محبت اِسی کو کہتے ہیں

ترے خیال میں دِن ڈھل کے شام ہو بھی گئی
نہ جانا ہم نے کہ اُلفت اِسی کو کہتے ہیں

تری نگاہ میں یہ کیسی حسرتیں ہیں سجن
نہ کچھ ملے گا کہ حسرت اِسی کو کہتے ہیں

اُلفت کی راہ میں یہ نظارہ کہیں نہ ہو
ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں خدارا کہیں نہ ہو

منزل کی سمت چلتے رہے آرزو لیے
منزل پہ پہنچنے کا اشارہ کہیں نہ ہو

ساحل کی سمت دِل کا سفینہ ہوا رواں
اِس بحر کا اے کاش! کنارہ کہیں نہ ہو

ہم رہروِ الم ہیں کوئی ہم سفر نہیں
سایہ بھی ساتھ اپنے ہمارا کہیں نہ ہو

اَب حسرتیں بھی دُور ہیں کیوں دِل سے اے سبیںؔ
اے کاش! ان کا اور گزارا کہیں نہ ہو

جس جستجو میں زندگی اپنی بسر ہوئی
جب مٹ چکے تو ہم پہ کسی کی نظر ہوئی

خود اپنے پاس رکھ لے خدا اب عنایتیں
گزرے گی اب بھی جس طرح پہلے گزر ہوئی

شب بھر کی سب دعائیں اندھیروں میں کھو گئیں
آہِ سحر بھی ایسے ہی کچھ بے اثر ہوئی

منزل کو پا ہی لیں گے گزر کر بھنور سے ہم
رنج و الم سے زندگی روشن اگر ہوئی

چھوٹی سی آرزو تھی سبیںؔ اس طرح بڑھی
کیسے بتائیں کس طرح داغِ جگر ہوئی

اُلفت میں کئی راہ کسی راہ نہ جاؤ
اس دل کو کئی مرتبہ سمجھا کے سنبھالا

بیتے ہوئے وہ لمحے نظر میں ہی بسے ہیں
گو غم کے تھپیڑوں نے انہیں دل سے نکالا

لڑتے ہی رہے بیچ بھنور تا دمِ آخر
طوفان کی موجوں نے ہمیں خوب اُچھالا

وہ نہیں جانتے کیا؟ غم کا بھی کچھ حق ہے یہاں
غم زدہ کیوں ہو مجھے لوگ یہ کیوں کہتے ہیں

آرزو ، حسرتیں، امیدِ وفا بیمِ جفا
دل مکاں ایسا ہے جس میں یہ مکیں رہتے ہیں

کیا برباد کوئی اور کوئی آباد کر ڈالا
بہت سوں کو جہاں کے عشق نے ناشاد کر ڈالا

ذرا سی بات پر پکڑی گئی کیسے زباں میری
کہ میں نے عرض کی اور تُو نے کیا ارشاد کر ڈالا

کروں شکوہ میں کیسا داد مانگوں کس بھروسے پر
بُرا کارِ جہاں کا ہو مجھے بے داد کر ڈالا

مٹا ڈالا ہے میں نے نام تیرا خانۂ دل سے
یہ میرا ظرف ، میں نے خود کو ہی برباد کر ڈالا

سبھیؔ آئے تھے سن کے داستاں رنگین ہستی کی
جہاں میں آ کے خود کو شاملِ اُفتاد کر ڈالا

قطعات

ہم پلٹتے ہی رہے صدیوں سے اوراقِ حیات
آج تک لیکن کھلا ہم سے نہ اسرارِ حیات
تھام لینا زندگی کی باگ کو ممکن نہیں
غم خوشی سے مل گیا تو بن گیا تارِ حیات

کھو گئے ہستی ہی اپنی پانے کو نام و نمود
ڈھونڈتے ہی ہم رہے اب تک مگر اپنا وجود
کس قدر ویراں ہے دِل اور کس قدر حیراں ہے شام
یوں تسلسل سے ہے طاری زندگی پر اِک جمود

ڈوبتے سورج میں پنہاں زندگی کا راز ہے
زیر و بم ہے اس جہاں میں سوز ہے اور ساز ہے
کس قدر اونچی زماں میں وقت کی پرواز ہے
راس پر آئی نہ سنگت پستی ہی دمساز ہے

کسی نامہ بر کی تلاش کر
کسی ہم سفر کی تلاش کر

کھوئے راستوں کا پتا ملے
کسی راہبر کی تلاش کر

رہبری کیا ہے کہ منزل کا اشارہ نہ کیا
رہ کے دشوار مراحل سے شناسا نہ کیا

تھا جنوں کا کوئی لمحہ یا محبت کا مقام
جس کی تاثیر میں تُو نے غمِ فردا نہ کیا

میرے تو دل میں تھا اَب تیری عبادت کا گماں
یہ بھی اچھا ہے کہ گم گشتۂ جادہ نہ کیا

وہ تو کچھ ہو ہی گئی تجھ سے شکایت ورنہ
آج تک میں نے کوئی شکوۂ بے جا نہ کیا

کب سے معلوم تھی ہستی کی حقیقت مجھ کو
خوف سے دُنیا کی میں نے اِسے افشا نہ کیا

اِس قدر ضبط سہیں اُن سے شکایت پر بھی
اُن کے اخلاص و مروت کو تو رسوا نہ کیا

عام کرنے کو ضیا دِل کو جلانے میں رہے
نہ حقیقت میں رہے اور نہ فسانے میں رہے

خواب بکھراتی رہی گردشِ دوراں کی ہوا
ہم خیالوں میں نئے رنگ سجانے میں رہے

اِس قدر ظلم کسی نے کہیں دیکھا نہ سنا
ہم بنانے میں رہے اور وہ مٹانے میں رہے

خود سے شکوہ ہے کبھی اور کبھی قسمت سے گلہ
ان بہانوں سے یہاں دل کو لگانے میں رہے

تیرگی ہوتی گئی راہ پہ منزل کی سبھیؔ
رہنما خود ہی چراغوں کو بجھانے میں رہے

چارہ گر بھی تو کچھ بتاتے نہیں
غم جہاں کے سہے بھی جاتے نہیں

جُرم یہ ہو نہ باعثِ پرسش
شکوۂ دل زباں پہ لاتے نہیں

جانے کیوں دل کو کہہ دیا کعبہ
بت دکھوں کے یہاں سے جاتے نہیں

اپنی اپنی ہے ساری دنیا میں
کوئی رشتے یہاں پہ ناتے نہیں

زندگی کو ہے آرزو جس کی
ایسا کوئی جہاں میں پاتے نہیں

آدرش

دھیرے دھیرے
سنبھل کر وہ اٹھتے قدم
ہولے ہولے وہ
آگے کو بڑھنا ترا
دل میں ایسے بسا
آہٹوں پہ گماں تیرا ہونے لگا
تیرا آہستہ آہستہ
بولنا
میٹھی میٹھی
محبت بھری گفتگو
میرے کانوں میں اک رس سا گھلنے لگا
خود ہی چپکے سے

دل کی کلی کھل گئی

جیسے

کھوئی ہوئی رہ گزر مل گئی

تیرے ہونٹوں کی

وہ دھیمی دھیمی ہنسی

میرے غم کو خوشی میں بدلنے لگی

آگ سی ایک دل میں سلگنے لگی

پھر نہ جانے ہوا کیا؟

خبر یہ ہوئی

تُو کوئی اور تھا

میں کوئی اور تھا

تاریکیوں میں غم کی پھسلتا گیا کوئی
پھر سے ابھرنے کو بھی مچلتا گیا کوئی

قصرِ حیات ٹوٹ گیا ضبطِ غم سے یوں
دِل کے دریچوں سے بھی نکلتا گیا کوئی

تنہائی، درد، وحشتِ دل ساتھ دے گئی
اِن کے جلو میں غم سے بہلتا گیا کوئی

کانٹوں کی باڑ تیرے لئے رہ گزر بنی
پھولوں کو راستے کے مسلتا گیا کوئی

اُلجھے پڑے ہیں زیست کے تاروں میں اے سبیںؔ
یوں ساز زندگی کے بدلتا گیا کوئی

اُن کو نہ تاب تھی نہ ہی اُن کی مجال تھی
ہستی میں اپنی ہستی فقط اک خیال تھی

آرائشوں میں کھو دی عبث اک طویل عمر
وہ کون تھا کسے یہاں تابِ جمال تھی

غم خوار اِک ملا تو جگر چاک کر دیا
دِل چیر کر دکھانا محض اک مثال تھی

جانے لگے جہاں سے وفا کی تلاش میں
دُنیا میں جستجوئے وفا تو محال تھی

کیونکر سمجھتے حال دلِ زار کا سبھی
تیری نظر تو اُلجھا ہوا اک سوال تھی

یاد جب آئے تو پھر آتے گئے
وہ خیالوں پر مرے چھاتے گئے

خوش رہوں اور دور رکھوں دل سے غم
مر رہے تھے ہم وہ سمجھاتے گئے

غم کسی کا تھا کسی کی بات تھی
داستاں اپنی ہی دُہراتے گئے

دل سے پردہ جوں ہی جوں اُٹھتا گیا
رفتہ رفتہ وہ بھی گھبراتے گئے

وہ نہ بھولے اور نہ بھولیں گے کبھی
یاد آئے اور تڑپاتے گئے

تھے خوشی کی جستجو میں ہم سبھی
غم بنا ڈھونڈے ہی خود آتے گئے

آنکھ پرنم سی ہے اور دل بھی ہے پیاسا آ گے
ہے تصور میں جہاں اور نیا سا آ گے

قہقہے ہونٹوں پہ اور آنکھوں سے آنسو تھے رواں
خالقِ وقت نے اِک بت سا تراشا آ گے

دِل سے اُٹھتا ہے دھواں اور خبر دِل کو نہیں
یہ ہی ہوتا ہے سحر شام تماشا آ گے

راکھ اور آنسو چنوں جن کو کچھ احساس ہوا
جیسے بکھرا ہوا ہو کوئی اثاثہ آگے

محوِ حیرت ہوں یہ بدلی ہوئی دنیا دیکھوں
کاش آ جائے کوئی چہرہ شناسا آگے

آج پھر درد میں شدّت سی نظر آئی ہے
یاد اُس لمحے کی پھر دل میں اُبھر آئی ہے

آج کی غور سے پھولوں کی اُداسی پہ نظر
راہ سے آنکھ کی وہ دل میں اُتر آئی ہے

شب کی خاموش سیاہی میں سکوں ملتا ہے
کوئی اَب یہ نہ خبر دے کہ سحر آئی ہے

جیسے تاریک فضا میں ہو اُجالے کا ظہور
زندگی سوز سے تپ کر یوں نکھر آئی ہے

اے سکیں کھول دے اب آنکھ ذرا دیکھ جہاں
زندگی درد کی بستی سے گزر آئی ہے

راہ میں پتھر کئی ہیں اور کئی ہیں سیلِ آب
زندگی کی راہوں پر چلنے کی ہوگی کس میں تاب

آیا جب لب پر تبسّم آنکھ بھی پرُنم ہوئی
کر سکے گا کیسے کوئی عرصۂ غم کا حساب

زندگانی کی حقیقت، نالہ و آہ و فغاں
دل کے بہلانے کو ورنہ ہیں بہت چنگ و رباب

بے وفائی، بے ثباتی ہے دلیلِ زندگی
وقت کی لہروں پہ بہتی ہے سدا مثلِ حباب

کس قدر محنت سے کرتا ہے جہاں کا کاروبار
جانتا ہے ہر کوئی کہ یہ جہاں ہے اک سراب

ضوفشانی دل کی پہنچی ہے سبھی افلاک پر
لا سکے گا تاب کیسے اِس ضیا کی ماہتاب

بنامِ خود

مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا
تیری بھول ہے کہ بھلا دیا

وہ ترے خیالوں کی رفعتیں
وہ دل و نگاہ کی وسعتیں
ترے رخ پہ چھائی وہ حسرتیں
ترا سینہ غم سے بھرا بھرا
مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا

یہ جو بدگمان جہاں ہوا
نہاں راز سب پہ عیاں ہوا
نہ ترا کچھ اِس میں زیاں ہوا
کہ حسابِ دل تھا کھرا کھرا
مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا

یہ خزاں بھی کچھ نہ بنا سکی
نہ ہی آندھی غم کی مٹا سکی
کوئی یاد بھی نہ جلا سکی
رہا باغ دل کا ہرا ہرا
مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا

تجھے غم جہاں کے مٹا گئے
کئی پردے ذہن پہ چھا گئے
وہ جو سن کے موت کا آ گئے
تو بھی جی اُٹھا تھا مرا مرا
مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا

کئی تاریکیاں، طوفاں کئے ہیں ہمسفر میں نے
دکھائے ہیں زمانے کو محبت کے اثر میں نے

نہ جانے کس جگہ تھک کر ٹھہر جائیں قدم تیرے
ترے رستے میں کتنے ہی بنا ڈالے ہیں گھر میں نے

کبھی تیرے خیالوں سے تری صورت بھی جھلکی ہے
کبھی تجھ کو بھی پایا ہے بڑا نزدیک تر میں نے

تمنّا اس قدر سمٹی کہ حسرت ہی نہ بن پائی
تمہاری جستجو کو مانگ ڈالے بال و پَر میں نے

جنوں خیزی کا کیسے ہو مداوا اِس گلستاں میں
جہاں پتھر ہوں دیواریں ہوں ڈھونڈے وہ نگر میں نے

نہ اِس سے بڑھ کے ان رستوں سے کوئی آشنا ہوگا
کبھی تو راہزن کو بھی بنایا راہبر میں نے

نہ دل لبھانے کو تھا نغمہ اور نہ سرگم تھا
جو وقت بیت گیا وہ ہی دل کا مرہم تھا

تھا انتظار مجھے کوئی منتظر تھا مرا
بڑا حسیں تھا زمانہ عجیب عالم تھا

مگر وہ کیسی کٹیں انتظار کی گھڑیاں
ہر ایک لمحہ تری بے حسی پہ پُرنم تھا

مرے خیال میں تو ایک ہی رہی صورت
مرا ہی چہرہ کئی صورتوں میں مدغم تھا

تجھے جہاں کی تمنا مجھے تری حسرت
غرض کہ دونوں طرف آرزو کا ماتم تھا

تُو جھانک لیتا اگر دل میں میرے دم بھر کو
نہ تجھ کو کوئی تھی الجھن نہ مجھ کو کچھ غم تھا

محبت کا جہاں آباد ہے ، آباد رہنے دو
ذرا سی دیر کو دل شاد ہے تو شاد رہنے دو

قفس سے یہ اسیرانِ چمن مانوس ہیں اتنے
کہ اَب اِن کو سزا دینی ہو تو آزاد رہنے دو

ہمارے ظرف کا ہے امتحاں یہ خانہ ویرانی
جو دنیا خوش اسی میں ہے تو گھر برباد رہنے دو

سیاہی دل کی اے چارہ گرو! تم سے نہ مٹ پائی
کہ تم دل سے قریں اپنی ہر اک ایجاد رہنے دو

تمھیں اپنی تمناؤں کے بر آنے سے مطلب ہے
پڑے گی کیا کسی کے دل پہ جو اُفتاد رہنے دو

سبیںؔ اس خود غرض سے دور میں تسکین کو دل کی
وفا، مہر و محبت کی وہ پچھلی یاد رہنے دو

اپنے شوہر کے نام

زندگی میں بھی تجھے تھی آرزوئے بندگی
اُس جہاں میں لے گئی ہے جستجوئے بندگی
اِس جہاں میں بھی رہا تیرا سرِ تسلیم خم
بارگاہِ ایزدی کو خوش ہے خوئے بندگی

بند آنکھوں کے پیچھے جتنے خواب سجے تھے
پلکوں پر اتنے ہی آنسو چُھپے ہوئے تھے

وسوسے

ہمارے ساتھ یہ کیسا تصور ہے جدائی کا؟
کہ لمحے وصل کے بھی ہجر کی طرح ستاتے ہیں
تمہارے ساتھ رہتی ہوں مگر ہوں مستقل بے کل
ہزاروں وسوسے مجھ کو خیالوں میں ڈراتے ہیں

جانے کیوں؟

جانے کیوں؟
نیند آ گئی تھی مجھے
جانے کیوں؟
خواب دیکھ ڈالے بہت
جانے کب؟
سلگتا سویرا ہوا
اور پھر اُس کے بعد سے
اب تک
اپنی پلکوں سے
چن رہی ہوں میں
کرچیاں اپنے ٹوٹے خوابوں کی

عہد

نہ دیکھ پائی میں تیری آنکھوں میں
پھر نہ ملنے کا
عہد ہرگز
کہ میری آنکھوں میں
آس کی پرچھائیاں
جھلملا رہی تھیں
اور تب سے اب تک
دل و نظر کا عجب ہے عالم
تمام موسم، تمام رنگیں حسیں نظارے
ہیں دھندلے دھندلے
اداس ویراں
وہ اس لئے کہ
وہ وقتِ رخصت
مری نظر میں ٹھہر گیا ہے (نثری)

ایک لمحہ

ہر لمحے لمحے جب جاگتا ہے
وہ میرے ہاتھوں پہ لمس تیری
گرم تپتی سی انگلیوں کا
تو اپنے ہاتھوں کو بھینچتی ہوں
میں اپنی مٹھی کو
بند رکھتی ہوں
خوف سے
کہ وہ لمس اِس میں سے
تیرے ہاتھوں کا
کھو نہ جائے

جب میرے کانوں میں
گونجتا ہے
وہ تیرا کہنا
کہ آپ اپنا خیال رکھنا
تو سوچتی ہوں
نہ جانے کتنے دنوں
یہ مشکل سا کام
مجھ کو نبھانا ہو گا
وہ ایک لمحہ
مختصر سا
اِن بہت سے
کٹھن دِنوں کا
کیا احاطہ کر سکے گا؟

(نثری)

غم

سورج آج سوا نیزے پر
سر کی کھال جلاتا ہے
جم گئی ہونٹوں پر پپڑی
دِل میرا اُبکاتا ہے
ایک گرم سا بھاری پتھر
جیسے سینے پر ہو دھرا
دل، جگر اور ارد گرد کو
دم بدم جھلساتا ہے

نہ راس آئیں بہاریں اس چمن کی
کوئی ویرانے میں اِک گھر بنا دے
مجھے پھولوں پہ نیند آتی نہیں ہے
مرا کانٹوں پہ ہی بستر بچھا دے

زمین کھینچ لے قدموں سے میرے اے خالق!
کہ میں ہوں آبلہ پا اور سفر طویل بہت
میں کس خیال کا لوں آسرا کہ زندہ رہوں
کہ تیرے ساتھ کی مدت رہی قلیل بہت

دل کے اندر ویرانی تھی ویرانی چھانے سے پہلے
اِک بربادی کا ڈر سا تھا بربادی آنے سے پہلے
کیسے موسم دیکھ لئے تھے دور کہیں دیوارِ قفس سے
اُڑ گئے دل کی آس کے پنچھی آزادی پانے سے پہلے

دِل کا موسم

تیرا ساتھ تھا
تو گرمی کی تپتی دھوپ بھی ٹھنڈی تھی
تیرا ساتھ تھا
تو سردی کی شدت میں بھی نرمی تھی
سوکھے پتے پت جھڑ میں
خوشیوں کے ساز بجاتے تھے
اور بہاریں تیرے دم سے
نکھر نکھر کر آتی تھیں

تجھ بن دھوپ جلاتی ہے
تن میں من میں
گھر آنگن میں
آگ سی اک دہکاتی ہے
اور سردی کی ٹھنڈی لہریں

سوئیاں بن کر چبھتی ہیں
تجھ بن پت جھڑ سونا ہے
ننگی شاخیں اک دوجے سے
لپٹ لپٹ کر روتی ہیں
اور ہوا بھی تیرے غم میں
سسکی بن کر چلتی ہے

موسم گل میں
دِل کے سارے زخم
ادھڑنے لگتے ہیں
اجلے منظر آنسو بن کر
دل پر گرنے لگتے ہیں
تیرے قدموں کی آہٹ بن
ویراں ہیں باغوں کی روشیں
تیرا رستہ دیکھتے دیکھتے
پتھرا گئیں پھولوں کی آنکھیں

دِل کا دروازہ

اِک چاپ سنائی دیتی ہے
کبھی بڑھتی ہے
کبھی گھٹتی ہے
پھر کوئی دروازہ کھلتا ہے
ہلکی سی صدا
آہٹ سی کہیں
وہ اور قریب آ جاتی ہے
بڑھتے بڑھتے
آگے آگے
پٹ کھولے دل کا دروازہ
کہتا ہے کہ وہ آ جائے

لیکن وہ چاپ نہ جانے کیوں
کچھ مدہم ہوتی جاتی ہے
آواز ذرا سی آتی ہے
دروازہ بند ہو جاتا ہے
قُربت سے دوری کا یہ سفر
لمحوں میں کٹا
اُمید کا دامن سِرک گیا
پھر بھی کچھ سوچ کے
کھلا رہا
بیچارہ دل کا دروازہ

میں کیسے اپنے سوا اور کوئی ذکر کروں
تمام دنیا کا احوال میرے حال میں ہے
غمِ جہاں ہو غمِ دِل ہو یا غمِ ہستی
ہر ایک غم کا گزر میرے ماہ و سال میں ہے

سفر

اونچے نیچے ٹیلوں پر
بے نام سفر
تپتی دھوپ کے صحراؤں میں
جلتا گھر
کتنے ہی بے منزل رستوں پر چلتے
پاؤں میں چھالے
اور لبوں پر نالے ہیں
کوئی نہ جانے
کب؟ کہاں تک جانا ہے؟
کیسے؟
اتنا بے کل وقت بتانا ہے
راہ میں چلتے راہی
رستہ چھوڑ گئے
غم کے ویراں دشت میں
تنہا چھوڑ گئے
میرے جیون کے سفر میں کچھ تو ہو
کوئی سایہ دار شجر رستے میں ہو

روز جیتی ہوں روز مرتی ہوں
اک قیامت سے میں گذرتی ہوں
میرے آنگن کے پُر بہار وہ دن
وہ مہکتا ہوا گلوں سے چمن
جانے کیا کیا میں یاد کرتی ہوں
اک قیامت سے میں گزرتی ہوں
آنکھ میں اشک بھی نہیں آتا
دل بھی میرا دھڑک نہیں پاتا
بوند بن کر لہو کی گرتی ہوں
اک قیامت سے میں گزرتی ہوں
بن گئے سانس آگ سینے میں
جل گیا دل بھی غم کو پینے میں
راکھ بن بن کے میں بکھرتی ہوں
اک قیامت سے میں گزرتی ہوں

کچھ اس طرح سے کیا تم نے ہم سفر مجھ کو
نہ راستے کی نہ منزل کی ہے خبر مجھ کو

نہ رات دن کا پتا ہے نہ آجکل کا شعور
کہ زندگی نے کیا اس طرح بسر مجھ کو

ہوا ہے حلقۂ احباب مختصر میرا
کیا جدائی نے تیری نا معتبر مجھ کو

مرا اثاثہ لُٹا یوں قضا کے رستے میں
کہ اب جہاں سے نہیں ہے کوئی خطر مجھ کو

مجھے تو پھر بھی بلندی پہ جا کے اُڑنا ہے
قضا نے لاکھ کیا ہو بے بال و پر مجھ کو

مجھے تو جینے کا حق چاہیے زمانے سے
گو اپنے پاس جگہ دیں نہ بحر و بر مجھ کو

انتظار

یہ انتظار موت سے بھی بڑھ کے ہے کٹھن
تجھ کو بُھلا کے موت کو آواز میں نے دی

ہر لمحہ ساتھ ساتھ لئے تجھ کو وہ پھرا
ایسی گماں کو قوتِ پرواز میں نے دی

مجھے خود اپنی نظر لگی ہے

کبھی کبھی
جب میں سوچتی ہوں
کہ میری بھرپور زندگی کو
نہ جانے کس کی نظر لگی ہے
عجیب سی ایک سوچ میرے
ذہن و دل سے
الجھتی ہے
میں سوچتی ہوں
ہے یہ بھی ممکن
مجھے خود اپنی نظر لگی ہو
وہ دل میں اک لہر سی خوشی کی
وہ جسم پر ایک کپکپی سی
وہ فخر کا اک قلیل لمحہ
وہ سر کی جنبش میں بے قراری
کبھی کبھی اک غرور بن کر

فلک کی گردش کو موڑتی ہے
حسین خوابوں کو توڑتی ہے
خوشی کے سب رنگ
جانے کیسے
بکھرنے لگتے ہیں لمحہ لمحہ
نکلنے لگتے ہیں زندگی سے
ٹپکنے لگتے ہیں قطرہ قطرہ
دکھوں کا اک بیکراں سمندر
سمیٹ لیتا ہے اپنے اندر
اور اک مسلسل غموں کی چادر
یوں ڈھانپتی ہے اندھیرا بن کر
تمام تن کی رگیں سمٹ کر
ہیں منتظر ایک آنکھ بن کر
کہ روشنی کی کوئی کرن ہو
امید کا کوئی پیرہن ہو
کسی بھی روزن کسی بھی در سے
گزر کے آئے اُجالا کر دے

مجھ کو چُھونا نہیں اَب راکھ ہوا جل کے بدن
جان گو باقی نہیں نقش مگر رہنے دو
کیوں مسلسل ہو پڑے در پہ بھکاری بن کر
کم طلب ہو کے فغاں میں تو اثر رہنے دو

گھاؤ

ترے اختیار کی حد نہیں
ترے فیصلوں سے مفر نہیں
مرے دِل کے گھاؤ
عمیق تر
ترے فیصلوں کی ہیں ضرب سے
میں تری خوشی میں
جو خوش رہی
تو مری خوشی کا حساب کر
کوئی ایسا دارو کہیں سے لا
مرے گہرے گہرے سے
گھاؤ بھر

دشوار بہت ہے یہ

تم دور بہت ہو پر
اتنے بھی نہیں کہ تم
دل سے بھی اُتر جاؤ
دشوار بہت ہے یہ
دُنیا کا چلن لیکن
اِتنا بھی نہیں کہ تم
جاں ہی سے گزر جاؤ

رنگوں کی بارش

کہیں رنگوں کی بارش نے
کھلائے پھول
خوشیوں کے
کہیں پر آندھیاں
غم کی
جلا دیتی ہیں
گلشن کو

زندگی

زندگی میں میری
اک عجیب سانحہ ہوا
تھم کے رہ گئی زمیں
آسماں بھی رک گیا
میرے سارے روز وشب
بھی ٹھہر کے رہ گئے
راستوں کے پیچ وخم
موسموں کے زیر و بم
میرے دِل کے حال پر
کچھ اثر نہ کر سکے
کیسی تھیں وہ دوریاں
اور مجبوریاں
دونوں آ کے مل گئیں
تیرے میرے درمیاں

فاصلے بڑھانے کو
زندگی کا ایک اور
رنگ بھی دکھانے کو
اب نہیں ہے سوچنا
اب نہیں ہے کھوجنا
غم ہے کیا؟
خوشی ہے کیا؟
بے حسی کو اوڑھ لو
زندگی بِتانے کو

غنیمت لمحے

چند لمحوں کی خوشی
کی جستجو
لے کے پہنچی دکھ کے
گہرے پانیوں میں
اور اس گہرے سمندر سے
ابھر کر باہر آنا
کس قدر دشوار ہے
ایسی ساعت کی تمنا
تو نہیں تھی
جو نہ جانے کس طرح سے
زندگی میں آ گئی
اُن غنیمت لمحوں کا احساس
اب بڑھنے لگا
زندگی کی چھوٹی خوشیاں

چھوٹے غم کتنے حسیں تھے
مختصر تھے
دُکھ کے لمحوں کی چبھن اب
مستقل ہے
اور اس کا ختم ہونا
زندگی کے خاتمے سے
قبل تو ممکن نہیں ہے

عام نہیں ہے

تیرا کہنا عام نہیں ہے
میرا سننا عام نہیں ہے
تیرے کہنے میں
شدّت ہے
میرے سننے میں
شدّت ہے
تیرے دِل کی آگ لپک کر
میرا دل بھی جلاتی ہے
میرا دِل بھی عام نہیں ہے
میرے دل میں غم کے باعث
لاتعداد دراڑیں ہیں
تیرا کہنا اِن کے رستے
دِل کے اندر جاتا ہے

دِل کے اندر کے گوشوں سے
کیسے نکلیں تیری باتیں
کیسے بھولیں؟ تیرے وعدے
جب تک میرا دل ہی نہ ٹوٹے!

اُمید و بیم

وہ اک ستارہ
جو میرے غم کی اندھیری راتوں میں
دم بدم جگمگا رہا تھا
جو میرے اندر کے موسموں کی
نئی رتوں کو جگا رہا تھا
جو میری صبحیں اجالتا تھا
اداس شاموں کی
بے کلی کو
مٹا رہا تھا
اُفق کے اُس پار
ڈوبنے کو کیوں جا رہا ہے؟
میں اِس کو اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دوں گی
اُفق کے اُن آتشیں رنگوں میں
نہ کھونے دوں گی

میں چاہتی ہوں
کہ اس کو دامن میں اپنے ایسے
چھپا کے رکھ لوں
کہ اس کی ٹھنڈی سی میٹھی میٹھی سی
روشنی سے
اداس لمحے، مایوسیوں کے سیاہ بادل
ہٹا کے اپنی میں زندگی تابناک کرلوں
مگر یہ ڈر ہے
قریب آ کر وہ
میرا دامن جلا نہ ڈالے

دو گام ساتھ چل نہ سکا یہ جہاں مرے
کم ظرف تھا وفا کا مری اہل ہی نہ تھا
میں دُور آسماں پہ اُسے دیکھتی رہی
وہ اپنی خاکِ پا سے نظر نہ ہٹا سکا

ہرج کیا تھا

اگر سوچوں پہ پہرے ہوں
خیالوں پہ بھی بندش ہو
حسیں خوابوں کی دنیا کے
جزیرے راکھ ہو جائیں
تمناؤں کی منزل
نرم پھولوں سے مزیّن ہو کے
جل جائے
قدم چلنے سے رُک جائیں
نشاں رستے سے ہٹ جائیں
سبک لمحوں کی حسرت میں
تھرکتی پتلیاں ساکت ہوں
اور
آنکھیں ٹھہر جائیں
صدائیں دِل کے اندر ہی کہیں
گھٹ گھٹ کے رہ جائیں

لبوں پہ مہر خاموشی ہو
سانسوں پر
محاسب ہوں
تو اس میں ہرج ہی کیا تھا
اگر
تخلیق مٹی کی جگہ
پتھر سے ہو جاتی

نہ جانے کیسی رتوں نے مجھے پکارا تھا
کہ منزلوں کے بدلنے کا یہ اشارہ تھا

مری نگاہ کی الجھن نے دیکھنے نہ دیا
وہ ایک نقش کہ جو مرکزِ نظارہ تھا

یہ تھا تقاضۂ قدرت کہ ڈگمگائے قدم
نہ رخ ادھر کو ہوا جس طرف کنارہ تھا

عروسِ لالہ کو موسم کی خستگی تھی کا تھا علم
جگر کے خوں سے تبھی پیرہن سنوارا تھا

ہوا کے دوش پہ پہنچے بگولوں کی زد میں
یوں بے خبر ہی ہمیں زندگی نے مارا تھا

جو نہ قسمت میں کوئی غم کا فسانہ ہوتا
نا موافق نہ ہمارے یہ زمانہ ہوتا

ٹھوکریں راہ کی رستہ نہ بدل دیتیں اگر
کوئی اپنا بھی کہیں آج ٹھکانا ہوتا

کچھ نہ کچھ صورتِ حالات بدل ہی جاتی
آتشِ غم سے جو قدرت نے بچانا ہوتا

مضطرب ہوتے نہ ہم وقت کے تھمنے پہ اگر
''وقت ہر زخم کا مرہم ہے'' سنا نہ ہوتا

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں مقدّر رکھ کر
عقل و دل کا مجھے پابند کیا نہ ہوتا

استواری تو جہاں کی یہی غم خواری ہے
ورنہ آزار تعلق کا بہانہ ہوتا

رشتۂ جان و بدن ٹوٹ ہی جاتا کب کا
وعدۂ عشق نہ گر تجھ سے نبھانا ہوتا

پیمانہ کوئی حسن و قبح کا نہیں جہاں
بے جرم خوفِ پرسشِ احوال ہے وہاں

اس شہر سے تو کوئی اٹھا لائے میرا گھر
رہنا تو ہے مگر نہیں غیروں کے درمیاں

بے روح جسم ہیں یہاں دِل درد کے بغیر
زندہ ہیں لوگ پھر بھی ہیں ویران بستیاں

کہنے کا اِذن ہے نہ ہی کرنے کا حوصلہ
بے کار ہو کے رہ گئے دست و زباں یہاں

دم بھی نہ لینے پائے کہ پھر باندھ لی کمر
ہر امتحاں سے آگے ہے اک اور امتحاں

جانا پڑا تھا غیر کی نظروں کے سامنے
غیرت کا تھا تقاضا کہ غم بھی نہ ہو عیاں

دشمن مرے نصیب کے تھے میرے رابطے
تھیں دوستی کی اوٹ میں موجود تلخیاں

زمانے کو نہ جانے کیا ہوا ہے
ہر اک چہرے پہ اک چہرہ نیا ہے

یہ ہے صورت گری کی ایک منزل
ہے نقلی اصل کا دھوکا ہوا ہے

کرے گا پوری قیمت کی وصولی
ہمیں تو غم نے ہی پالا ہوا ہے

خود اپنے گھر کی جانب گامزن ہیں
ہمیں کس راہ پر ڈالا ہوا ہے

ادھر رستے میں لاکھوں پیچ و خم ہیں
اُدھر منزل پہ بھی پہرا کڑا ہے

دل کے دروازے پر دستک صاف سنائی دیتی ہے
عشق ذرا آگے بڑھتا ہے عقل دہائی دیتی ہے

راہ پڑے تو جانیں گے کیا پیچ وخم ہیں رستے کے
سوچ نگر میں تو منزل دو گام دکھائی دیتی ہے

بہہ جاتے ہیں راہ کے کانٹے اس طوفانی بارش میں
آنکھ کے آنسو کو جب دِل کی ٹیس ودھائی دیتی ہے

مجبوری کو صبر بنا کر دِل کا مان بڑھایا ہے
پور پور میں لیکن دل کی چوٹ دکھائی دیتی ہے

دِلوں کے درد میں اِک درد نارسائی کا
یہ امتحان نہ بن جائے پارسائی کا

ہیں جسم و جاں سرِ مقتل ذرا بھرم رکھنا
ہمیں ہے دعویٰ بہت درد آشنائی کا

مری محبت کے سلسلوں میں عجیب اِک سلسلہ ہوا ہے
میں اِس کی اُلجھن میں ڈھونڈتی ہوں کہاں پہ اس کا کوئی سرا ہے

میں اپنے بچوں سے پوچھتی ہوں کہ اِس زمانے کی اُلفتوں میں
خلوصِ دِل کو غرض کی عینک لگا کے کیا دیکھنا روا ہے

کسی کو اتنا یقیں نہیں کہ بلا غرض کوئی بات کر لے
ہر اک قدم پر ہے بدگمانی ہر اک قدم پر ہی شک کھڑا ہے

زمانے بھر کے غموں کا کوئی علاج کیا ہے کسی کے بس میں
ہر اِک کے غم کا ہے یہ مداوا کہ ہر کوئی غم میں مبتلا ہے

میں اپنے دل کو تسلی دیتی ہوں، بے حسی کے یہ چند دن ہیں
کہ ایسے حالات پیدا کرکے خدا ہمیں آزما رہا ہے

آنکھوں میں جو راز چُھپا تھا
جگ نے کیسے جان لیا تھا

دل میں جب جذبے جاگے تھے
تجھ سے دِل کا حال کہا تھا

سوچ کے اک گہرے ساگر میں
میں نے وہ چہرہ دیکھا تھا

اُڑتے اُڑتے آس کا پنچھی
ڈالی ڈالی پر بیٹھا تھا

تنہا منزل تک کیا جاتے
دُور سفر مشکل رستہ تھا

خانہ بدوشوں کا گھر کیسا؟
کوئی دیوار نہ دروازہ تھا

دکھ کے شہر میں کون کسی کا
سایہ بھی کب ساتھ رہا تھا

لطف کیونکر نہ اَب سوا ہوگا
غمِ دل اور بڑھ گیا ہوگا

جب مقدر ہی ڈوبنا ٹھہرا
کیسے تنکے کا آسرا ہوگا

کون جانے کہاں سے آئی ہے
یہ بلا جس سے واسطہ ہوگا

سخت بنجر زمیں پہ سیرابی
پھوٹا کوئی تو آبلہ ہوگا

اپنی آنکھیں میں بند رکھتی ہوں
دیکھنے کو نہ کچھ رہا ہوگا

آج پھر یاس کے چھٹے بادل
پھر امیدوں کا سلسلہ ہوگا

نیند سے دُور میری راتوں میں
اَب کوئی خواب کب بچا ہوگا

بے یقینی سی بے یقینی ہے
یہ نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا

پاؤں اُٹھتے رہے یہ آس لئے
آگے جلتا کوئی دیا ہوگا

غم کو ہی اپنا غم گسار کہو
یونہی جینے کا حوصلہ ہوگا

بڑی دُور منزلیں ہیں کوئی پاسباں نہیں ہے
مرے ہم سفر بہت ہیں کوئی مہرباں نہیں ہے

بچھے ہیں زمیں پہ کانٹے، اکھڑے ہوئے قدم ہیں
مرے سر پہ بھی تو دیکھو کوئی آسماں نہیں ہے

جو بھی سایہ دیکھتی ہوں وہ ہے سایہ غم کا سایہ
''بڑی دھوپ پڑ رہی ہے کوئی سائباں نہیں ہے''

جلے چاہے سارا گلشن مجھے ہے یہ خوش گمانی
جہاں پر گری ہے بجلی، مرا آشیاں نہیں ہے

دلِ مضطرب سنبھل جا، ہے رخِ ہوا سے ظاہر
اَب دُور ساحلوں سے مرا بادباں نہیں ہے

مجھے معتبر کیا تھا کبھی جس کی اُلفتوں نے
جہاں جا کے سر جھکایا، یہ وہ آستاں نہیں ہے

سبیںؔ مدتوں سے میں ہوں اِسی حالتِ سفر میں
کسی موڑ پر بھی پہنچا مرا کارواں نہیں ہے

تلخئ ایام

زیست کے سمندر میں
ذات کی پناہوں میں
ڈھونڈتی ہے حسرت سے
زندگی خود ہی کو ہی
زندگی اکیلی ہے
زندگی ہے درماندہ
زندگی سفر میں ہے
راستے ہیں پیچیدہ
زندگی کے چہرے پر
آنسوؤں کی لڑیاں ہیں
آج سے جو رشتے ہیں
کل کی ساری کڑیاں ہیں
کل جہاں محبت تھی
دشمنی کا ڈیرہ ہے
ساز تھے جہاں کل تک

سوز کا بسیرا ہے
دن کی روشنی میں بھی
خوف کا اندھیرا ہے
پھول تھے جہاں کھلتے
اب وہاں پہ ہر جانب
خون رنگ سویرا ہے
خوشبوؤں ہواؤں میں
زندگی سسکتی ہے
آسماں کی بارش میں
درد بن کے گرتی ہے
سوچ کے جزیروں میں
نفرتوں کا ساحل ہے
زندگی ہی قاتل ہے
زندگی ہی گھائل ہے
بھوک کے جہنم میں
ایندھن آدمیت ہے
مفلسی کی کھائیوں میں
دفن انسانیت ہے

زندگی سلگتی ہے
روز و شب کی تلخی میں
قطرہ قطرہ گھلتی ہے
زندگی کو حسرت ہے
کوئی تو نیا لمحہ
کوئی تو نیا جذبہ
توڑ ڈالے اک پل میں
نفرتوں کی دیواریں
کوئی تو عیاں کر دے
غرض میں چھپے چہرے
کاش کچھ تو ایسا ہو
موت کے تعاقب سے
زندگی پنہ لے لے

ابنِ آدم کا زوال

زمین پر رینگتے ہوئے، اے حقیر کیڑے
تُو اپنی ادنیٰ سی بے حقیقت سی
ہستی پہ اترا رہا ہے
تُو خود کو ارفع و اعلیٰ کہہ کر
خود اپنے اندر کے چھوٹے پن کو چھپا رہا ہے
تو انسانیت کا لباس پہنے
اور اپنے گندے بدن کے اوپر
پاکیزگی کا لبادہ اوڑھے
تُو اپنے دل کی کدورتوں پر
محبتوں کے گور چڑھائے
فریب کو دلفریب کر کے
ضمیر کو بے ضمیر کر کے

خود اتنی مشکل سی زندگی کو مزید مشکل بنا رہا ہے
تُو اپنی چھوٹی سی اُس خطا پر
زمیں پہ رہنے کی اِس سزا پر
اِسے جہنم بنا رہا ہے
سزا کو اپنی بڑھا رہا ہے

کبھی ہم نے یہ سوچا ہے؟

(8 اکتوبر 2005 کے زلزلے کے حوالے سے)

کبھی ہم نے یہ سوچا ہے؟
کہ کیوں رحمت کے عشرے میں
ہدایت کے مہینے میں
محبت کے سفینے میں
خداوندِ دو عالم کے کہے پر
ایک لمحے میں
زمیں کی تھرتھراہٹ سے
عجب سی گڑگڑاہٹ سے
ہزاروں بستیاں گم ہوگئیں
دھرتی کے سینے میں
صدائیں، زخم خوردہ سسکیاں
دم توڑتی آہیں
رہیں اک گونج بن کر
اِن پہاڑوں کے دفینوں میں

ہزاروں بے کفن لاشے

لہو سے تر بتر چہرے

کتابیں بوٹ اور بستے

نہ جانے کتنے کل کے

خوابوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے

منقش ہو گئے

کچھ یوں.....

فضا کے آبگینوں میں

نگاہوں میں تھرکتے عکس

اُن معصوم چہروں کے

یوں گویا ہیں

ہمارے کن گناہوں پر؟

خدا کا ہے غضب ٹوٹا

ہماری کون سی لغزش نے؟

غیرت کو پکارا ہے

ہمیں معلوم ہی کب تھا

کہ اچھا کیا، بُرا کیا ہے؟

خداوندِ دو عالم کی

رضا، ناراضگی کیا ہے؟
ہمارے تو یہ دن تھے
کھیلنے، ہنسنے ہنسانے کے
شعور و آگہی کی سمت قدموں کو بڑھانے کے
ابھی کوئی عمل ایسا نہ تھا
کہ جس کا اس قدر سنگیں نتیجہ ہو
تو پھر یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟
کبھی ہم نے یہ سوچا ہے؟
خدا کی مہربانی کا
محبت اور شفقت کا
بنی نوعِ بشر پر
اپنی رحمت اور عنایت کا
تقاضا ہے کہ
اُس کے جرم کے بدلے
معافی وہ عطا کر دے
اُسے توبہ کی مہلت دے
اُسے موقع دے کہ
اشک ندامت سے وہ

اپنے دامنِ عصیاں کو دھوڈالے
خداوندِ دو عالم چاہتا کب ہے
کہ وہ اپنی ہی خلقت کو
حبیبِؐ کبریا کی اس
عزیز از جان اُمت کو
سزاوارِ عذابِ اُخروی کر دے
غلط کاری کے باعث دائمی ذلت عطا کر دے
کبھی ہم نے یہ سوچا ہے؟
ہمارے کارِ عصیاں پر غضب ٹوٹے تو پھر کیا ہو؟
وہ ساری امتوں کی ذلتیں یکجا اگر کر دے تو پھر کیا ہو؟
یہ اک تنبیہ ہے!
جس سے خداوندِ دو عالم کی محبت آشکارا ہے
ہمیں خود احتسابی کے لئے اُس نے پکارا ہے
سجیں گے باغِ جنت اِن حسیں معصوم پھولوں سے
لُطف اندوز ہوں گے دائمی خوشیوں کے جھولوں سے
غلط کاروں کو توبہ کی طلب ہوگی یونہی شاید
عمل، کردار کی پوری کمی ہوگی یونہی شاید
ہمیں یہ دیکھنا ہے، سوچنا، محسوس کرنا ہے

کہ یہ تو ہے
اشارہ ''ادخلوفی السلم کافۃ'' کی جانب
ہمیں پورے کے پورے داخلِ اسلام ہونا ہے
کنارے پر رہے تو یہ ہی پھر
انجام ہونا ہے

پاکستان ایئر فورس ویمن ایسوسی ایشن

(پفوا PAFWA) کی بانی کے نام

جہد و عمل کا کارواں
ہو جس کی تم روح و رواں
چلتا رہے گا یہ سدا
ہے حوصلوں سے بھی عیاں
جو حوصلے تم نے دیئے
جینے کے رنگ ڈھنگ نئے
بے لوث خدمت کے مزے
گُل زندگی پر چھا گئے

اَب جستجوئے رہبری
سے زندگی آگے بڑھی
روشن ہیں راہیں اِس قدر

دُور ہے لیکن
نظر میں ہے مقامِ بندگی

یہ شمعِ علم و ہنر
ہے جس کی لَو چاروں طرف
تیرے ذہن کی وسعتوں
تیرے عمل کی طاقتوں
نے اِس کو دی تابندگی

یہ شمع جو اَب وقت نے
ہے دوسروں کو سونپ دی
وہ بھی اسے دیتے رہیں
خونِ جگر سے زندگی
اور پھیلتی جائے سدا
تاریکیوں میں روشنی

ایک مہربان ہستی کے نام الوداعی نظم

ترے جانے سے محفل اس طرح ویران ہو جائے
یہ کب چاہا تھا دل کے درد کا ساماں ہو جائے

محبت میں تری ہم آپ سے تم پر اُتر آئے
تکلف کے تھے جو بھی راستے اُن سے گزر آئے
کہ کُھل کے حالِ دل کہنا ذرا آسان ہو جائے

یہ حسرت تھی کہ ہم بھی تیرے ہاتھوں الوداع ہوتے
یہ صدمہ ہجر کا سہنا ہی تھا تو اُس طرح سہتے
ذرا رُک جاؤ کہ پورا یہ بھی ارمان ہو جائے

ترے فکر و عمل کی رِفعتیں، دل کی نگوں خوئی
ہر اِک مشکل تری ہمت کے آگے سرنگوں ہوئی
تری میں خوبیاں لکھنے لگوں دیوان ہو جائے

میں تیرے ساتھ گزرے جاوداں لمحے خضر کر لوں
تُو بچھڑے تو تری یادوں کو ہی میں راہبر کر لوں
مسافر کا ذرا منزل سے یہ پیمان ہو جائے

ہمیں دے دو معافی گر ہوئی ہم سے خطا کوئی
کہ تیرے دُور جانے سے نہیں بڑھ کر سزا کوئی
تری جانب سے ہم پر یہ بھی اِک احسان ہو جائے

ہمارے دل سے تم اپنی محبت بھی لیے جاؤ
جو جانا ہے شکایت ہی کوئی پیدا کیے جاؤ
کہ تم کو بھول جانے کا کوئی امکان ہو جائے

دُعا یہ ہے نیا دورِ سفر تُم کو مبارک ہو
شبِ فُرقت کی یہ روشن سحر تم کو مبارک ہو
جہاں بھر کی خوشی سے پُر ترا دامان ہو جائے

جشنِ بہاراں کے موقع پر

کیسی رنگین محفل سجی ہے یہاں
اے بہاروں کے موسم ترا شکریہ
سج گئی ہے زمیں سج گیا آسماں
اے نظاروں کے موسم ترا شکریہ

تیری آمد کا پیغام لائی صبا
چار سُو چھا گئی خوشبوؤں کی گھٹا
کیا حسیں کیا معطر ہے سارا جہاں
اے بہاروں کے موسم ترا شکریہ

موسموں پر تری حکمرانی رہی
ساری دُنیا تری ہی دیوانی رہی
ہو گئی زرد رُو، دیکھ کر یہ خزاں
اے بہاروں کے موسم ترا شکریہ

دیکھنے بلبلوں کی جنوں خیزیاں
پیرہن گُل کا ہوتا رہا خونچکاں
اس سے بڑھنے لگی رونق گلستاں
اے بہاروں کے موسم ترا شکریہ

راستے نور سے یوں دمکنے لگے
ذرّے تاروں کی مانند چمکنے لگے
رُک گئے تھے جو، چلنے لگے کارواں
اے بہاروں کے موسم ترا شکریہ

سب کے ہونٹوں پہ نغمے مچلنے لگے
دِل کے تاروں سے یہ سُر نکلنے لگے
ہوں مبارک ہمیں بزم آرائیاں
اے بہاروں کے موسم ترا شکریہ

بہار کا گیت

گاؤں سے ساجن لینے کو آئے کر دیا میں نے انکار
تیرے سنگ نہ جاؤں گی
گرمی کا موسم تپتا مہینا
چوٹی تا اِیڑی بہتا پسینا
مچھروں کی بھر مار، تیرے سنگ نہ جاؤں گی

ساون میں پیا مورے لینے کو آئے کر دیا میں نے انکار
تیرے سنگ نہ جاؤں گی
گاؤں میں تیرے پانی ہی پانی
فصلیں کھڑی ہوئیں راہیں انجانی
گاؤں کہاں ملہار، تیرے سنگ نہ جاؤں گی

سردی میں ساجن لینے کو آئے کر دیا میں نے انکار
تیرے سنگ نہ جاؤں گی
گاؤں میں تیرے ہیٹر نہ بجلی
چادر کُہر کی غضب کی سردی
جاؤں نہ ہو بیمار، تیرے سنگ نہ جاؤں گی

اب کے جو ساجن لینے کو آئے ہو گئی میں تیار
تیرے سنگ میں جاؤں گی
رُت ہے مِلن کی پیار کا موسم
بیت گیا انتظار کا موسم
باغوں میں آئی بہار، تیرے سنگ میں جاؤں گی